AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www. al-aasar.com

Vol. 2, No.4 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

زکوۃ کے جدید مسائل مفتی تقی عثمانی اور سید علی حسینی سیستانی کی آراء: فقہی مقالات اور منہاج الصالحین کا اختصاصی مطالعہ

Muhammad Waseem
M.Phil Scholar,Islamic Learning Department, University of Karachi),Pakistan.
Email: wasim23ghazali@gmail.com
Muhammad Zubair
PHD Scholar,The University of Haripur, KPK.
Mz966058@gmail.com
Asma AbdulHameed
PHD,Scholar and Lecturer Comsats University Islamabad,Abbottabad Campus.
asmahameed@cuiatd.edu.pk

Abstract
Zakat is a fundamental obligation in Islamic law and an important means of promoting social welfare and economic justice.Modern financial systems, investments, corporate structures, bank accounts, and new forms of wealth have created several contemporary Zakat-related questions.This research comparatively examines the juristic views of Mufti Muhammad Taqi Usmani and Sayyid Ali Husayni al-Sistani with reference to Fiqhi Maqalat and Minhaj al-Salihin.It focuses on selected modern issues, including salaries, shares, investment funds, bank deposits, retirement benefits, and business assets.

The study analyzes the principles and juristic reasoning employed by both scholars in determining the Zakatability of contemporary financial assets.It also identifies the major areas of agreement and difference between their respective legal approaches.An analytical and comparative methodology is adopted to examine their opinions and underlying jurisprudential principles.The study demonstrates how classical Islamic legal principles are applied to changing economic circumstances.Despite differences in certain rulings, both scholars emphasize the objectives of Zakat, including social responsibility, economic balance, and the circulation of wealth.The research concludes that the views of both jurists provide valuable guidance for understanding contemporary Zakat issues within the framework of Islamic jurisprudence.

Keywords: *Zakat; Contemporary Issues; Mufti Muhammad Taqi Usmani; Sayyid Ali Husayni al-Sistani; Fiqhi Maqalat; Minhaj al-Salihin.*

زکوۃ اسلام کے بنیادی مالی فرائض میں سے ایک ہے جو فرد کے مال کو پاک کرنے کے ساتھ معاشرے میں معاشی توازن، ہمدردی اور اجتماعی فلاح کو فروغ دیتی ہے۔ موجودہ دور میں مالی معاملات اور معاشی نظام میں نمایاں تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں، جس کے نتیجے میں زکوۃ سے متعلق کئی ایسے مسائل سامنے آئے ہیں جن کی سابقہ صورتیں محدود یا مختلف تھیں۔ ملازمت سے حاصل ہونے والی آمدن، کمپنیوں کے حصص، سرمایہ کاری، بینکوں میں جمع رقوم، ریٹائرمنٹ فوائد اور جدید کاروباری اثاثوں کے بارے میں شرعی حکم متعین کرنا معاصر فقہ کے اہم موضوعات میں شامل ہے۔ ان مسائل کے حل کے لیے فقہی اصولوں کو جدید معاشی حالات پر منطبق کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ اسی حوالے سے مفتی محمد تقی عثمانی کی فقہی مقالات اور سید علی حسینی سیستانی کی منہاج الصالحین میں پیش کردہ آراء خاص اہمیت رکھتی ہیں۔

AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www. al-aasar.com

Vol. 2, No.4 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

جدید مالیاتی نظام[1] اور زکوٰۃ

اسلامی معاشی نظام میں زکوٰۃ کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ یہ محض ایک مالی عبادت نہیں بلکہ دولت کی منصفانہ تقسیم، معاشرتی فلاح، غربت کے خاتمے اور اقتصادی استحکام کا ایک مؤثر ذریعہ ہے۔ عہدِ نبوی ﷺ اور قرونِ اولیٰ میں مالی وسائل نسبتاً سادہ تھے اور سونا، چاندی، مویشی، زرعی پیداوار اور تجارتی سامان دولت کی بنیادی صورتیں شمار ہوتے تھے، لیکن عصرِ حاضر میں مالیاتی نظام نے غیر معمولی وسعت اختیار کر لی ہے۔ بینکنگ، اسٹاک مارکیٹ، میوچل فنڈز، انشورنس، پراویڈنٹ فنڈ، پنشن اسکیمیں، الیکٹرانک کرنسی، آن لائن سرمایہ کاری اور ڈیجیٹل اثاثے جدید مالیاتی نظام کا حصہ بن چکے ہیں۔ ان تبدیلیوں نے زکوٰۃ کے اطلاق کے حوالے سے متعدد نئے فقہی سوالات کو جنم دیا ہے جن کے حل کے لیے معاصر فقہاء نے اجتہادی کوششیں کی ہیں۔ قرآنِ کریم زکوٰۃ کی فرضیت اور اس کے معاشرتی مقاصد کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:

﴿خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا﴾ [2]

ترجمہ: آپ ان کے اموال میں سے صدقہ (زکوٰۃ) وصول کیجیے جو انہیں پاک کرے اور ان کا تزکیہ کرے۔

اس آیت میں لفظ "اموال" مطلق استعمال ہوا ہے جو ہر اس مال کو شامل ہے جسے عرف میں مال سمجھا جاتا ہو اور جس سے مالی منفعت حاصل کی جا سکتی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ فقہائے امت نے ہر دور میں نئے مالی ذرائع کے بارے میں شرعی رہنمائی فراہم کی ہے۔

مفتی محمد تقی عثمانی کے نزدیک زکوٰۃ کے احکام کا تعلق مال کی حقیقت اور اس کی مالی منفعت سے ہے، نہ کہ صرف اس کی ظاہری شکل سے۔ وہ لکھتے ہیں کہ شریعت کا مقصد معاشی انصاف قائم کرنا اور دولت کے ارتکاز کو روکنا ہے، اس لیے ہر وہ مال جس میں نمو یا نمو کی صلاحیت موجود ہو زکوٰۃ کے دائرے میں آ سکتا ہے۔[3] اسی طرح آیت اللہ سید علی حسینی سیستانی جدید مالیاتی معاملات کو ملکیت، قبضہ اور تصرف کے اصولوں کی روشنی میں پرکھتے ہیں اور ہر نئے مسئلے کا حکم انہی فقہی قواعد کے مطابق متعین کرتے ہیں۔

جدید مالیاتی نظام کا تعارف

جدید مالیاتی نظام سے مراد وہ جامع اقتصادی و مالیاتی ڈھانچہ ہے جس کے ذریعے کسی ملک یا عالمی سطح پر مالی وسائل کی گردش، سرمایہ کاری، بچت، ادائیگیوں اور تجارتی سرگرمیوں کو منظم کیا جاتا ہے۔ اس نظام میں بینک، مالیاتی ادارے، سرمایہ کاری کمپنیاں، اسٹاک ایکسچینج، انشورنس کمپنیاں، میوچل فنڈز، پنشن فنڈز، مائیکرو فنانس ادارے، ڈیجیٹل ادائیگی کے ذرائع اور الیکٹرانک مالیاتی پلیٹ فارم شامل ہوتے ہیں۔ موجودہ دور میں معیشت کا بڑا حصہ انہی اداروں اور ذرائع کے ذریعے چلایا جاتا ہے، جس کے نتیجے میں دولت کی مختلف نئی صورتیں وجود میں آ چکی ہیں۔

---

[1] جدید مالیاتی نظام سے مراد وہ موجودہ معاشی و مالی ڈھانچہ ہے جس کے ذریعے افراد، ادارے اور حکومتیں رقم اور دیگر مالی وسائل کو حاصل، محفوظ، منتقل اور سرمایہ کاری کے لیے استعمال کرتی ہیں۔ اس میں بینکاری، سرمایہ کاری، کمپنیوں کے حصص، مالیاتی ادارے، آن لائن لین دین اور دیگر جدید مالی ذرائع شامل ہیں۔ موجودہ دور میں مالی معاملات کی یہ نئی صورتیں زکوٰۃ کے حوالے سے متعدد نئے فقہی مسائل پیدا کرتی ہیں۔ اسی لیے ان معاملات کی شرعی حیثیت متعین کرنے کے لیے فقہی اصولوں کی روشنی میں ان کا جائزہ لینا ضروری ہے۔

[2] التوبہ: 103

[3] مفتی محمد تقی عثمانی، فقہی مقالات ص 210

AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www. al-aasar.com
Vol. 2, No.4 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

عصرِ حاضر میں مالیاتی نظام نے روایتی نقد لین دین کی حدود سے نکل کر ڈیجیٹل اور عالمی شکل اختیار کر لی ہے۔ اب دولت صرف نقدی، سونے اور چاندی تک محدود نہیں رہی بلکہ بینک بیلنس، حصص، بانڈز، سرمایہ کاری فنڈز، الیکٹرانک کرنسی اور دیگر مالیاتی اثاثے بھی مالی وسائل کی اہم صورتیں شمار ہوتے ہیں۔ ان جدید ذرائع نے سرمایہ کاری کے مواقع میں اضافہ کیا ہے اور عالمی تجارت کو مزید وسعت دی ہے۔[4]

تاہم جدید مالیاتی نظام کی یہ پیچیدگی فقہ اسلامی کے لیے نئے سوالات بھی پیدا کرتی ہے۔ چونکہ ان ذرائع میں بڑی مقدار میں دولت گردش کرتی ہے، اس لیے یہ بحث اہمیت اختیار کر جاتی ہے کہ آیا ان جدید مالیاتی اثاثوں پر زکوٰۃ واجب ہو گی؟ اگر ہو گی تو اس کا نصاب، شرح اور طریقۂ ادائیگی کیا ہو گا؟ نیز ان اموال کی شرعی حیثیت کو کس بنیاد پر متعین کیا جائے گا؟ معاصر فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ اسلام کا نظامِ زکوٰۃ جامد نہیں بلکہ ایک ایسا ہمہ گیر اور لچکدار نظام ہے جو ہر دور کے معاشی حالات میں رہنمائی فراہم کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اسی بنا پر جدید مالیاتی ذرائع کو فقہی اصولوں، مقاصدِ شریعت اور اجتہادی بصیرت کی روشنی میں جانچا جاتا ہے تاکہ زکوٰۃ کے احکام کو عصری تقاضوں کے مطابق نافذ کیا جا سکے۔ درحقیقت جدید مالیاتی نظام کا مطالعہ اس لیے بھی ضروری ہے کہ زکوٰۃ کے بنیادی مقاصد، یعنی دولت کی منصفانہ تقسیم، معاشی عدل، غربت کا خاتمہ اور سماجی فلاح، موجودہ دور میں بھی مؤثر انداز میں حاصل کیے جا سکیں۔

کاغذی کرنسی پر زکوٰۃ

قدیم ادوار میں سونا اور چاندی دولت، ذخیرۂ مال اور زرِ مبادلہ کی بنیادی حیثیت رکھتے تھے۔ تمام تجارتی اور مالی معاملات انہی دو دھاتوں کے ذریعے انجام پاتے تھے، اسی لیے شریعتِ اسلامی نے زکوٰۃ کے نصاب اور دیگر مالی احکام کا تعلق بھی بنیادی طور پر سونے اور چاندی سے قائم کیا۔ تاہم وقت گزرنے کے ساتھ عالمی مالیاتی نظام میں نمایاں تبدیلیاں رونما ہوئیں اور کاغذی کرنسی نے سونے اور چاندی کی جگہ لے لی۔ آج دنیا بھر میں خرید و فروخت، تنخواہوں، بینکاری اور بین الاقوامی تجارت کا انحصار کاغذی کرنسی اور اس کے قائم مقام مالی ذرائع پر ہے۔ چنانچہ معاصر فقہاء کے سامنے یہ اہم سوال پیدا ہوا کہ آیا کاغذی نوٹ بھی سونے اور چاندی کی طرح زکوٰۃ کے احکام کے تابع ہوں گے یا نہیں؟

فقہائے عصر کی غالب اکثریت اس بات پر متفق ہے کہ موجودہ دور میں کاغذی کرنسی نے "ثمن[5] (Price Standard)" اور "نقد (Money)" کی حیثیت اختیار کر لی ہے، لہٰذا اس پر وہی احکام لاگو ہوں گے جو سونے اور چاندی پر نافذ ہوتے ہیں۔ اس موقف کی بنیاد اس اصول پر ہے کہ شریعت احکام کے نفاذ میں اشیاء کی صرف ظاہری شکل کو نہیں بلکہ ان کی حقیقی مالی حیثیت اور معاشی کردار کو بھی پیشِ نظر رکھتی ہے۔[6]

مفتی محمد تقی عثمانی کے نزدیک کاغذی کرنسی موجودہ زمانے میں مکمل ثمنیت کی حامل ہے، اس لیے اس پر زکوٰۃ واجب ہو گی۔ ان کے مطابق اگر کسی شخص کے پاس سونے یا چاندی کے نصاب کے مساوی نقد رقم موجود ہو اور اس پر قمری سال گزر جائے تو اس پر ڈھائی فیصد زکوٰۃ ادا کرنا لازم ہو گی۔ وہ وضاحت کرتے ہیں کہ اگرچہ موجودہ

---

[4] محمد تقي عثماني، اسلام اور جدید معیشت و تجارت، کراچي: مکتبۃ معارف القرآن، 2010ء، ص 45

[5] ثَمَن سے مراد کسی چیز کے بدلے میں دی جانے والی قیمت یا معاوضہ ہے۔ فقہی اصطلاح میں اس کا اطلاق بالخصوص ان چیزوں پر ہوتا ہے جو لین دین اور خرید و فروخت میں بطور قیمت استعمال ہوں۔ قدیم فقہ میں سونے اور چاندی کو بنیادی ثمن کی حیثیت حاصل تھی۔ موجودہ دور میں کرنسی اور دیگر رائج مالی ذرائع بھی ثمن کے مفہوم سے متعلق بحث میں آتے ہیں۔

[6] محمد تقي عثماني، اسلام اور جدید معیشت و تجارت، ص 93

AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www. al-aasar.com
Vol. 2, No.4 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

کرنسی سونے اور چاندی سے نہیں بنی، لیکن چونکہ عوام اور ریاست دونوں اسے بطور ذریعۂ تبادلہ قبول کرتے ہیں، اس لیے شرعی اعتبار سے اس کا حکم بھی نقدین ہی کا ہوگا۔ مزید برآں، کاغذی کرنسی خرید و فروخت، ادائیگی، ذخیرہ اندوزی اور سرمایہ کاری کے تمام مقاصد پورے کرتی ہے، لہٰذا اسے زکوٰۃ سے مستثنیٰ قرار نہیں دیا جا سکتا۔[7]

مفتی تقی عثمانی اس موقف کی تائید میں فقہی اصول "الثمنیۃ" سے استدلال کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک زکوٰۃ کا تعلق مال کی مالی قدر اور معاشی افادیت سے ہے، اس لیے جب کاغذی نوٹ نے سونے اور چاندی کی جگہ لے لی ہے تو اس پر بھی زکوٰۃ واجب ہوگی۔ یہی موقف متعدد بین الاقوامی فقہی اداروں اور مجامعِ فقہیہ نے بھی اختیار کیا ہے۔[8]

آیت اللہ سید علی حسینی سیستانی بھی جدید نقدی کو مالی قدر کا حامل اور قابلِ ملکیت مال قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک کسی مال پر مالی احکام کے نفاذ کے لیے ضروری ہے کہ وہ عرفِ عام میں مال شمار ہوتا ہو اور انسان کی ملکیت میں موجود ہو۔ چونکہ موجودہ دور میں کاغذی کرنسی تمام مالی معاملات کا بنیادی ذریعہ ہے، اس لیے اسے شرعی احکام سے خارج نہیں کیا جا سکتا۔ ان کے فقہی منہج میں بھی مال کی حقیقی قدر، ملکیت اور تصرف بنیادی اصولوں کی حیثیت رکھتے ہیں۔[9]

مزید جدید معاشی حالات میں افراطِ زر کرنسی کی قدر میں کمی بیشی اور مختلف ممالک کی کرنسیوں کے تبادلے جیسے مسائل بھی پیدا ہوئے ہیں۔ معاصر فقہاء کے نزدیک اگرچہ کرنسی کی قدر میں اتار چڑھاؤ آتا رہتا ہے، تاہم جب تک وہ قانونی اور عرفی طور پر مال کی حیثیت رکھتی ہے، اس پر زکوٰۃ کے احکام برقرار رہیں گے۔ اسی بنا پر بینک اکاؤنٹس، نقد رقوم اور دیگر مالی ذخائر کو بھی کاغذی کرنسی کے حکم میں شمار کیا جاتا ہے۔[10]

دونوں علماء کی آراء کے تقابلی مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ ان کے فقہی استدلال کے انداز میں فرق پایا جاتا ہے، تاہم دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ موجودہ دور کی کاغذی کرنسی شرعی اعتبار سے مالِ زکوٰۃ ہے۔ چنانچہ نصاب، ملکیتِ کاملہ اور حولانِ حول کی شرائط پوری ہونے کی صورت میں اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ یہ موقف اسلامی شریعت کی وسعت، لچک اور ہر دور کے معاشی حالات سے ہم آہنگ ہونے کی صلاحیت کو نمایاں کرتا ہے، اور اس حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ زکوٰۃ کا نظام صرف روایتی مالی وسائل تک محدود نہیں بلکہ جدید اقتصادی ذرائع پر بھی یکساں طور پر نافذ ہوتا ہے۔

بینک بیلنس[11] اور زکوٰۃ

بینکوں میں جمع شدہ رقوم جدید معاشی نظام کا ایک بنیادی اور ناگزیر حصہ ہیں۔ آج کے دور میں افراد، کاروباری ادارے اور ریاستیں اپنی مالی سرگرمیوں کو منظم رکھنے کے لیے بینکاری نظام پر انحصار کرتی ہیں۔ تنخواہیں، کاروباری لین دین، سرمایہ کاری اور ادائیگیاں زیادہ تر بینک اکاؤنٹس کے ذریعے انجام پاتی ہیں۔ اس صورتحال نے یہ اہم فقہی سوال پیدا کیا ہے کہ آیا بینک اکاؤنٹ میں موجود رقم پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں، اور اگر ہوگی تو اس کی شرائط اور طریقۂ حساب کیا ہوگا؟

---

[7] محمد تقي عثماني، فقهي مقالات، ج1، ص189

[8] محمد تقي عثماني، فقهي مقالات، ص215

[9] ایضاً، ص245

[10] علي الحسيني السيستاني، منهاج الصالحين، ج1، كتاب الزكاة، مسائل الزكاة في النقود، ص65

[11] بینک بیلنس سے مراد وہ رقم ہے جو کسی فرد یا ادارے کے نام سے بینک میں جمع ہو اور اس کے کھاتے میں موجود ہو۔ یہ رقم ضرورت کے مطابق بینک سے نکالی، منتقل یا دیگر مالی معاملات میں استعمال کی جا سکتی ہے۔ شرعی اعتبار سے بینک میں موجود رقم کی نوعیت اور اس پر زکوٰۃ کا حکم اس بات پر منحصر ہوتا ہے کہ رقم کس حیثیت سے رکھی گئی ہے۔ اسی لیے جدید مسائلِ زکوٰۃ میں بینک بیلنس ایک اہم مالی صورت شمار ہوتا ہے۔

فقہی اصولوں کی روشنی میں بینک بیلنس کو "نقد مال" کی ایک جدید صورت قرار دیا جاتا ہے، کیونکہ یہ فوری طور پر قابلِ استعمال اور قابلِ تصرف دولت ہوتی ہے۔ شریعت میں زکوۃ کے وجوب کے لیے بنیادی شرط یہ ہے کہ مال انسان کی ملکیت میں ہو، اس پر مکمل اختیار (تصرف) حاصل ہو، وہ نصاب تک پہنچ جائے اور اس پر قمری سال گزر چکا ہو۔ جب یہ تمام شرائط کسی بینک بیلنس پر پوری ہو جائیں تو وہ زکوۃ کے دائرے میں آ جاتا ہے۔[12]

مفتی محمد تقی عثمانی کے مطابق اگر بینک میں جمع شدہ رقم انسان کی مکمل ملکیت میں ہو اور اسے اس پر ہر وقت تصرف کا اختیار حاصل ہو تو وہ مالِ زکوۃ شمار ہو گی۔ خواہ یہ رقم کرنٹ اکاؤنٹ میں ہو یا سیونگ اکاؤنٹ میں، دونوں صورتوں میں اصل معیار ملکیت اور قابضانہ اختیار ہے۔ ان کے نزدیک بینک بیلنس دراصل جدید دور کی نقدی کی ایک محفوظ شکل ہے، اس لیے اس پر وہی احکام لاگو ہوں گے جو عام نقد رقوم پر لاگو ہوتے ہیں۔ لہٰذا جب نصاب مکمل ہو جائے اور قمری سال گزر جائے تو اس مجموعی رقم پر ڈھائی فیصد زکوۃ ادا کرنا واجب ہو گا۔[13]

مفتی تقی عثمانی اس بات کی وضاحت کرتے ہیں کہ بینک کا ادارہ محض ایک محافظ (Custodian) کی حیثیت رکھتا ہے، جبکہ اصل ملکیت کھاتہ دار کی ہوتی ہے۔ اس لیے جب تک رقم قانونی اور عملی طور پر قابلِ وصول ہو، وہ زکوۃ سے مستثنیٰ نہیں ہو سکتی۔ اس اصول کی بنیاد پر وہ بینکاری نظام کو شریعت کے عمومی مالی اصولوں کے مطابق قابلِ قبول قرار دیتے ہیں، بشرطیکہ اس میں سودی معاملات شامل نہ ہوں۔

آیت اللہ سید علی حسینی سیستانی بھی اصولی طور پر اسی موقف کے قائل ہیں کہ قابلِ تصرف نقد سرمایہ ہی زکوۃ کے احکام کا موضوع بنتا ہے۔ ان کے نزدیک اصل معیار "ملکیت اور دسترس" ہے، یعنی اگر مال واقعی طور پر مالک کی ملکیت میں ہو اور وہ اسے استعمال کرنے یا نکالنے پر قدرت رکھتا ہو تو وہ مالی واجبات کے دائرے میں آتا ہے۔ اس لیے بینک اکاؤنٹ میں موجود قابلِ دسترس رقوم کو وہ زکوۃ کے قابل مال شمار کرتے ہیں۔[14] جدید بینکاری نظام میں مختلف قسم کے اکاؤنٹس جیسے کرنٹ اکاؤنٹ، سیونگ اکاؤنٹ، فکسڈ ڈپازٹس اور انویسٹمنٹ اکاؤنٹس موجود ہیں۔ ہر اکاؤنٹ کی نوعیت کے مطابق زکوۃ کے احکام میں جزوی فرق پایا جا سکتا ہے، لیکن بنیادی اصول یہی ہے کہ جو مال مالک کی ملکیت اور تصرف میں ہو وہ زکوۃ سے مستثنیٰ نہیں ہے۔ اسی طرح اگر بینک بیلنس پر سود حاصل ہو تو وہ شرعاً حرام اور علیحدہ تصفیے کا متقاضی ہے۔ بینک

حصص[15] اور سرمایہ کاری

اسٹاک مارکیٹ جدید سرمایہ کاری کا ایک اہم ذریعہ ہے۔ حصص کی خرید و فروخت سے منافع حاصل کیا جاتا ہے اور کروڑوں افراد اپنی دولت کو اس شعبے میں لگاتے ہیں۔ مفتی تقی عثمانی کے نزدیک اگر شیئرز تجارت کی نیت سے خریدے گئے ہوں تو وہ مالِ تجارت شمار ہوں گے اور ان کی مارکیٹ ویلیو پر زکوۃ واجب ہو گی۔ اگر حصص صرف سرمایہ کاری کے لیے خریدے گئے ہوں تو کمپنی کے زکوۃ پذیر اثاثوں کے تناسب سے زکوۃ ادا کی جائے گی۔ ان کے نزدیک حصص دراصل کمپنی کے اثاثوں میں ملکیت کا نمائندہ

---

[12] محمد تقي عثماني، اسلام اور جديد معيشت و تجارت، ص97

[13] محمد تقي عثماني، فقهي مقالات، ص220

[14] علي الحسيني السيستاني، منهاج الصالحين، ج1، كتاب الزكاة، ص135

[15] حصص سے مراد کسی کمپنی یا کاروباری ادارے کے سرمائے میں ملکیت کا وہ حصہ ہے جو کسی فرد یا ادارے کو حاصل ہو۔ حصص رکھنے والا شخص کمپنی کے اثاثوں اور کاروباری سرگرمیوں میں اپنے حصے کے بقدر ملکیت رکھتا ہے۔ ان حصص کی خرید و فروخت بھی مالیاتی بازار میں کی جا سکتی ہے اور ان سے نفع یا منافع حاصل ہو سکتا ہے۔ جدید مسائلِ زکوۃ میں حصص کی نوعیت، مقصدِ ملکیت اور ان سے حاصل ہونے والے منافع کی وجہ سے ان کے زکوۃ سے متعلق احکام اہمیت رکھتے ہیں۔

حصہ ہوتے ہیں، اس لیے ان پر زکوٰۃ کے احکام لاگو ہوتے ہیں۔[16] سید علی سیستانی سرمایہ کاری کی نوعیت کو بنیادی حیثیت دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک ہر معاملے میں ملکیت، قبضہ اور حقیقی مالی منفعت کو دیکھا جائے گا۔ اگر سرمایہ کاری تجارتی مقاصد کے لیے ہو تو اس کے احکام مختلف ہوں گے اور اگر طویل المدتی ملکیت کے لیے ہو تو اس کی تفصیلات الگ ہوں گی۔

میوچل فنڈز[17] اور سرمایہ کاری اسکیمیں

میوچل فنڈز جدید مالیاتی نظام کی ایک اہم اور منظم سرمایہ کاری کی صورت ہیں جن میں مختلف افراد اپنی بچتیں ایک مشترکہ فنڈ میں جمع کراتے ہیں، اور یہ سرمایہ پیشہ ور مالیاتی ماہرین کے ذریعے مختلف کاروباری، صنعتی اور مالیاتی منصوبوں میں لگایا جاتا ہے۔ اس طریقۂ کار کا بنیادی مقصد سرمایہ کاروں کو کم خطرے کے ساتھ بہتر منافع فراہم کرنا اور سرمایہ کو زیادہ مؤثر انداز میں گردش میں رکھنا ہے۔ آج کے عالمی مالیاتی نظام میں میوچل فنڈز، انڈیکس فنڈز اور دیگر سرمایہ کاری اسکیمیں ایک بڑی اقتصادی حقیقت بن چکی ہیں۔ فقہی اعتبار سے میوچل فنڈز کی زکوٰۃ کا مسئلہ نہایت اہم اور پیچیدہ ہے، کیونکہ اس میں سرمایہ براہِ راست کسی ایک مال کی صورت میں نہیں بلکہ مختلف مالی اثاثوں اور سرمایہ کاری کے پورٹ فولیو میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ اسی وجہ سے معاصر فقہاء نے اس مسئلے کو "حقیقتِ مال" اور "نوعیتِ سرمایہ کاری" کی بنیاد پر سمجھنے کی کوشش کی ہے۔

مفتی محمد تقی عثمانی کے نزدیک میوچل فنڈ میں زکوٰۃ کا حکم اس کے بنیادی اثاثوں کی نوعیت پر منحصر ہے۔ اگر فنڈ کے اندر موجود سرمایہ ایسے اثاثوں پر مشتمل ہو جو زکوٰۃ کے قابل ہوں، جیسے نقد رقم، تجارتی سامان، قابلِ وصول رقوم یا دیگر مالی اثاثے، تو سرمایہ کار پر اس کے تناسب سے زکوٰۃ واجب ہو گی۔ وہ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ فنڈ کی سالانہ مالی رپورٹ (Annual Report) اور بیلنس شیٹ کے ذریعے یہ معلوم کیا جائے کہ فنڈ کے مجموعی اثاثوں میں سے کون سا حصہ زکوٰۃ کے دائرے میں آتا ہے۔ ان کے نزدیک میوچل فنڈ دراصل سرمایہ کار کی ملکیت کا ایک مشترکہ حصہ ہے، اس لیے زکوٰۃ کا اطلاق اس اصول پر ہو گا کہ ہر فرد اپنے حصے کے مطابق مالِ زکوٰۃ کا حساب کرے۔ اس طریقہ کار سے زکوٰۃ کے نظام میں شفافیت اور درستگی برقرار رہتی ہے اور مالی ذمہ داری صحیح طور پر ادا ہوتی ہے۔

آیت اللہ سید علی حسینی سیستانی بھی سرمایہ کاری کے معاملات میں بنیادی اصول "حقیقی ملکیت" اور "مال کی نوعیت" کو پیشِ نظر رکھتے ہیں۔ ان کے مطابق ہر وہ سرمایہ جو انسان کی ملکیت میں ہو اور جس سے مالی فائدہ حاصل ہو رہا ہو، وہ شرعی احکام کے دائرے میں آتا ہے۔ اس لیے میوچل فنڈز میں بھی اصل مال اور اس کے استعمال کی نوعیت کو دیکھ کر زکوٰۃ یا دیگر مالی احکام متعین کیے جائیں گے۔[18] مزید یہ کہ جدید سرمایہ کاری اسکیموں میں خطرات، منافع اور پورٹ فولیو کی تقسیم جیسے عوامل بھی شامل ہوتے ہیں، جو فقہی تحقیق کو مزید پیچیدہ بنا دیتے ہیں۔ اسی لیے معاصر فقہاء اس بات پر زور دیتے ہیں کہ ایسے معاملات میں صرف عمومی اصول کافی نہیں بلکہ تفصیلی مالی معلومات اور دستاویزات کی بنیاد پر حکم لگایا جائے۔ میوچل فنڈز کا یہ پہلو بھی اہم ہے کہ یہ سرمایہ کو غیر فعال حالت سے نکال کر فعال معیشت میں شامل کرتے ہیں، جس سے معاشی ترقی اور روزگار کے مواقع پیدا ہوتے ہیں۔ اس اعتبار سے اسلامی شریعت سرمایہ کی ایسی گردش کی حوصلہ افزائی کرتی ہے جو معاشی عدل اور اجتماعی فلاح کا سبب بنے۔[19]

---

[16] محمد تقي عثماني، فقهي مقالات، ص187

[17] میوچل فنڈز سے مراد ایسا اجتماعی سرمایہ کاری کا نظام ہے جس میں متعدد افراد اپنی رقوم ایک مشترکہ فنڈ میں جمع کرتے ہیں اور یہ رقم ماہرینِ سرمایہ کاری کے ذریعے مختلف مالی یا کاروباری منصوبوں میں لگائی جاتی ہے۔ ہر سرمایہ کار کو اس کی جمع شدہ رقم کے تناسب سے فنڈ میں حصے یا یونٹس حاصل ہوتے ہیں۔ اس سرمایہ کاری سے حاصل ہونے والا منافع یا نقصان بھی سرمایہ کاروں کے حصے کے مطابق تقسیم ہوتا ہے۔ جدید مسائلِ زکوٰۃ میں میوچل فنڈز کی نوعیت اور اس میں موجود اثاثوں کے اعتبار سے زکوٰۃ کے حکم کا تعین کیا جاتا ہے۔

[18] علي الحسيني السيستاني، منهاج الصالحين، ج1، كتاب الزكاة، ص213

[19] محمد تقي عثماني، فقهي مقالات، ج1، ص228

AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www. al-aasar.com
Vol. 2, No.4 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

زکوٰۃ اسلامی معیشت میں دولت کی منصفانہ تقسیم کا سب سے مؤثر ذریعہ ہے۔ جدید سرمایہ دارانہ نظام میں دولت چند ہاتھوں میں مرتکز ہوتی جارہی ہے جبکہ زکوٰۃ دولت کو معاشرے کے مختلف طبقات تک منتقل کرتی ہے۔ اس کے نتیجے میں غربت میں کمی، روزگار میں اضافہ اور معاشرتی استحکام پیدا ہوتا ہے۔

مفتی تقی عثمانی کے مطابق اگر زکوٰۃ کا نظام اپنی اصل روح کے مطابق نافذ کر دیا جائے تو مسلم دنیا کے بیشتر معاشی مسائل حل ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح سید علی سیستانی بھی زکوٰۃ اور دیگر مالی واجبات کو معاشرتی انصاف اور انسانی فلاح کے قیام کا مؤثر ذریعہ قرار دیتے ہیں۔ جدید مالیاتی نظام نے زکوٰۃ کے باب میں نئے فقہی سوالات ضرور پیدا کیے ہیں، لیکن اسلامی فقہ کے اصول اتنے جامع اور ہمہ گیر ہیں کہ ان کی روشنی میں ہر نئے مسئلے کا حل تلاش کیا جا سکتا ہے۔ مفتی تقی عثمانی اور سید علی حسینی سیستانی اگرچہ مختلف فقہی مکاتبِ فکر سے تعلق رکھتے ہیں، تاہم دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ زکوٰۃ کا بنیادی مقصد معاشی عدل، دولت کی گردش اور معاشرتی فلاح کا قیام ہے۔ جدید مالیاتی ذرائع پر زکوٰۃ کے احکام کا اطلاق بھی اسی مقصد کے تحت کیا جانا چاہیے تاکہ اسلامی معاشی نظام اپنی حقیقی روح کے ساتھ نافذ ہو سکے۔

شیئرز، اسٹاک مارکیٹ[20] اور سرمایہ کاری

عصرِ حاضر میں اسٹاک مارکیٹ اور سرمایہ کاری کے مختلف ذرائع عالمی معیشت کا اہم جزو بن چکے ہیں۔ افراد اور ادارے اپنے سرمایہ کو مختلف کمپنیوں کے حصص، میوچل فنڈز، سرمایہ کاری اسکیموں اور دیگر مالیاتی منصوبوں میں لگاتے ہیں تاکہ منافع حاصل کر سکیں۔ چونکہ یہ مالی ذرائع عہدِ نبوی ﷺ اور ادوارِ فقہاء میں اپنی موجودہ شکل میں موجود نہیں تھے، اس لیے معاصر فقہاء نے ان کے شرعی احکام کے تعین کے لیے اجتہادی اصولوں سے استفادہ کیا ہے۔ زکوٰۃ کے باب میں بھی یہ سوال نہایت اہم ہے کہ شیئرز اور سرمایہ کاری پر زکوٰۃ کس بنیاد پر واجب ہو گی اور اس کی مقدار کیسے متعین کی جائے گی۔

اسلامی شریعت کا بنیادی اصول یہ ہے کہ ہر وہ مال جس میں نمو یا نمو کی صلاحیت موجود ہو اور جو انسان کی ملکیت میں ہو، مخصوص شرائط کے ساتھ زکوٰۃ کے دائرے میں آتا ہے۔ قرآنِ کریم میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ﴾[21]

ترجمہ: "اے ایمان والو! اپنی پاکیزہ کمائی میں سے خرچ کرو۔"

شیئرز کی شرعی حقیقت

شیئر دراصل کسی کمپنی کی ملکیت میں ایک متعین حصہ ہوتا ہے۔ جب کوئی شخص کسی کمپنی کا شیئر خریدتا ہے تو وہ اس کمپنی کے اثاثوں، منافع اور ذمہ داریوں میں اپنے حصے کے مطابق شریک بن جاتا ہے۔ فقہی اعتبار سے شیئر کو محض کاغذ کا ٹکڑا نہیں سمجھا جاتا بلکہ یہ کمپنی کے موجودہ اور آئندہ مالی حقوق کی نمائندگی کرتا ہے۔

مفتی تقی عثمانی کے مطابق شیئرز کی شرعی حیثیت کا تعین کمپنی کے کاروبار اور سرمایہ کاری کی نوعیت کی بنیاد پر کیا جائے گا۔ اگر کمپنی جائز کاروبار میں مصروف ہو تو اس کے شیئرز خریدنا اور فروخت کرنا جائز ہے، جبکہ ناجائز کاروبار میں مصروف کمپنیوں کے شیئرز کی خرید و فروخت جائز نہیں ہو گی۔[22]

---

[20] اسٹاک مارکیٹ سے مراد ایسا منظم مالیاتی بازار ہے جہاں مختلف کمپنیوں کے حصص اور بعض دیگر مالیاتی اثاثوں کی خرید و فروخت کی جاتی ہے۔ سرمایہ کار یہاں کمپنیوں کے حصص خرید کر ان میں ملکیت کا حصہ حاصل کرتے اور قیمت میں اضافے یا منافع کی صورت میں مالی فائدہ حاصل کر سکتے ہیں۔ اسٹاک مارکیٹ میں حصص کی قیمتیں طلب و رسد، کمپنی کی کارکردگی اور دیگر معاشی عوامل کے مطابق تبدیل ہوتی رہتی ہیں۔ جدید مسائلِ زکوٰۃ میں اسٹاک مارکیٹ کی اہمیت اس لیے ہے کہ حصص کی ملکیت اور ان کی نوعیت کے مطابق ان پر زکوٰۃ کے حکم کا تعین کیا جاتا ہے۔

[21] البقرۃ:267

[22] علي الحسيني السيستاني، منهاج الصالحين، ج 1، كتاب الزكاة، مسائل الأسهم والاستثمار، ص 431

AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www. al-aasar.com
Vol. 2, No.4 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

سید علی حسینی سیستانی بھی اسی اصول کو اختیار کرتے ہیں کہ سرمایہ کاری کا تعلق ایسے کاروبار سے ہونا چاہیے جو شرعاً جائز ہو۔ اگر کمپنی کا بنیادی کاروبار حرام ہو تو اس میں سرمایہ کاری شرعاً درست نہیں ہو گی۔[23] فقہ اسلامی میں مالِ تجارت پر زکوٰۃ کے وجوب کا حکم ثابت ہے۔ حضرت سمرہ بن جندبؓ روایت کرتے ہیں:

"كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَأْمُرُنَا أَنْ نُخْرِجَ الصَّدَقَةَ مِمَّا نُعِدُّهُ لِلْبَيْعِ[24]"

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ ہمیں حکم دیتے تھے کہ جو چیزیں فروخت کے لیے رکھی جائیں ان کی زکوٰۃ ادا کی جائے۔

مفتی تقی عثمانی کے نزدیک شیئرز پر زکوٰۃ کا حکم ان کی نوعیت کے اعتبار سے مختلف ہو گا۔ اگر کوئی شخص حصص اس نیت سے خریدتا ہے کہ قیمت بڑھنے پر فروخت کرے گا تو یہ مالِ تجارت شمار ہوں گے۔ ایسی صورت میں سال کے اختتام پر ان کی موجودہ مارکیٹ ویلیو کا حساب لگایا جائے گا اور مجموعی مال پر ڈھائی فیصد زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔

مثال کے طور پر اگر کسی شخص نے دس لاکھ روپے مالیت کے شیئرز خرید رکھے ہیں اور سال کے اختتام پر ان کی مارکیٹ ویلیو بارہ لاکھ روپے ہو گئی ہے تو زکوٰۃ بارہ لاکھ پر ادا کی جائے گی، کیونکہ زکوٰۃ موجودہ قیمت پر واجب ہوتی ہے۔ البتہ اگر حصص تجارت کی نیت سے نہیں بلکہ طویل المدتی سرمایہ کاری کے طور پر خریدے گئے ہوں تو زکوٰۃ صرف ان اثاثوں پر ہو گی جو کمپنی کے زکوٰۃ پذیر اموال میں شامل ہوں۔ مثلاً نقد رقم، تجارتی سامان اور قابل وصول رقوم وغیرہ۔

مفتی تقی عثمانی اس موقف کی بنیاد اس اصول پر رکھتے ہیں کہ زکوٰۃ کا تعلق حقیقی قابلِ نمو مال سے ہے، نہ کہ ان اثاثوں سے جو ذاتی استعمال یا پیداواری ذرائع کی حیثیت رکھتے ہوں۔

آیت اللہ سید علی حسینی سیستانی کے نزدیک سرمایہ کاری کے احکام میں ملکیت، قبضہ اور مالی منفعت بنیادی اصول ہیں۔ وہ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ ہر سرمایہ کاری کا حکم اس کی حقیقی نوعیت کو دیکھ کر متعین کیا جائے۔ ان کے مطابق اگر سرمایہ تجارتی مقاصد کے لیے استعمال ہو رہا ہو اور اس میں مالی نمو پیدا ہو رہی ہو تو اس کے متعلق مالی واجبات کے احکام لاگو ہوں گے۔ وہ اس مسئلہ میں فقہی قواعد اور شرائطِ ملکیت کو بنیادی حیثیت دیتے ہیں۔ سید علی سیستانی کی فقہ میں بھی سرمایہ کاری اور کاروباری اثاثوں کی مالی حیثیت کو تسلیم کیا گیا ہے، تاہم بعض فروعی تفصیلات میں ان کا زاویۂ نظر فقہ حنفی سے مختلف ہو سکتا ہے۔[25]

عالمی مالیاتی نظام میں روز بروز نئی سرمایہ کاری اسکیمیں متعارف ہو رہی ہیں۔ ایکسچینج ٹریڈڈ فنڈز انڈیکس فنڈز، آن لائن ٹریڈنگ اور دیگر جدید ذرائع نے فقہی تحقیق کے نئے دروازے کھول دیے ہیں۔ مفتی تقی عثمانی ان مسائل میں اصولِ شریعت، مقاصدِ شریعت اور فقہی قواعد کی روشنی میں اجتہاد کے قائل ہیں۔ ان کے نزدیک اسلام ہر دور کے معاشی مسائل کا حل پیش کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ سید علی سیستانی بھی جدید سرمایہ کاری کے مسائل میں اصولی اجتہاد کی ضرورت پر زور دیتے ہیں اور ہر نئے معاملے کو اس کی حقیقی نوعیت کے مطابق جانچنے کے قائل ہیں۔[26]

مفتی تقی عثمانی اور سید علی حسینی سیستانی دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ سرمایہ کاری اور شیئرز جدید مالیاتی نظام کا اہم حصہ ہیں اور ان کے متعلق شرعی رہنمائی ضروری ہے۔ دونوں علماء ملکیت، مالی منفعت اور معاشی نمو کو بنیادی معیار قرار دیتے ہیں۔ البتہ فروعی جزئیات اور بعض تطبیقات میں ان کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے جو ان کے فقہی مکاتب کے اختلاف کا نتیجہ ہے۔

---

[23] محمد تقی عثمانی، فقهي مقالات، ص210

[24] سنن أبي داود، كتاب الزكاة، باب زكاة العروض للتجارة، حديث رقم:1562

[25] محمد تقی عثمانی، فقهي مقالات، ج1، ص102

[26] علي الحسيني السيستاني، منهاج الصالحين، ج1، كتاب الزكاة، مسائل الأسهم والاستثمار، 190

AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www. al-aasar.com
Vol. 2, No.4 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

شیئرز، اسٹاک مارکیٹ اور سرمایہ کاری معاصر معیشت کا بنیادی ستون بن چکے ہیں۔ اسلامی شریعت نے ان معاملات کو نظر انداز نہیں کیا بلکہ فقہی اصولوں کی روشنی میں ان کے احکام متعین کیے ہیں۔ مفتی تقی عثمانی اور سید علی حسینی سیستانی دونوں کی آراء اس بات کو واضح کرتی ہیں کہ زکوٰۃ کا نظام جدید سرمایہ کاری کے ذرائع پر بھی نافذ ہو سکتا ہے اور اس کے ذریعے معاشی عدل، دولت کی منصفانہ تقسیم اور سماجی فلاح کے مقاصد حاصل کیے جا سکتے ہیں۔

پراویڈنٹ فنڈ[27]، پنشن اور ریٹائرمنٹ اسکیموں پر زکوٰۃ

عصرِ حاضر میں ملازمت پیشہ افراد کی معاشی زندگی میں پراویڈنٹ فنڈ، پنشن اور مختلف ریٹائرمنٹ اسکیمیں بنیادی اہمیت اختیار کر چکی ہیں۔ سرکاری اور نجی ادارے اپنے ملازمین کے لیے مختلف بچت اور ریٹائرمنٹ پروگرام متعارف کرواتے ہیں جن کا مقصد ملازمت کے اختتام یا بڑھاپے کے دوران مالی تحفظ فراہم کرنا ہوتا ہے۔ چونکہ یہ مالی وسائل قدیم فقہی ادوار میں موجود نہ تھے، اس لیے ان کے شرعی احکام خصوصاً زکوٰۃ کے مسئلہ میں معاصر فقہاء نے تفصیلی بحث کی ہے۔

اسلامی شریعت میں زکوٰۃ کے وجوب کے لیے چند بنیادی شرائط بیان کی گئی ہیں جن میں ملکیتِ کاملہ، نصاب، حولانِ حول اور مال کا قابلِ نمو ہونا شامل ہے۔ پراویڈنٹ فنڈ اور پنشن کے مسائل میں سب سے اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا ملازم کو اس رقم پر مکمل ملکیت حاصل ہے یا نہیں؟ اسی سوال کی بنیاد پر معاصر فقہاء نے مختلف آراء پیش کی ہیں۔ فقہ اسلامی کا مسلمہ اصول ہے کہ زکوٰۃ صرف اس مال پر واجب ہوتی ہے جس پر انسان کی مکمل ملکیت اور تصرف ثابت ہو۔ فقہاء نے اس اصول کو "الملک التام" سے تعبیر کیا ہے۔ قرآنِ کریم میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَآتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ﴾[28]

ترجمہ: اور اس کی کٹائی کے دن اس کا حق ادا کرو۔

اس آیت سے فقہاء نے استدلال کیا ہے کہ مالی حق اسی مال میں واجب ہوتا ہے جس پر انسان کی ملکیت قائم ہو۔

پراویڈنٹ فنڈ کی شرعی حیثیت

پراویڈنٹ فنڈ ایسی رقم ہوتی ہے جو ملازم کی تنخواہ سے مخصوص شرح کے مطابق کاٹی جاتی ہے اور ادارہ بھی اس میں اپنا حصہ شامل کرتا ہے۔ یہ رقم ایک مخصوص مدت تک جمع رہتی ہے اور ریٹائرمنٹ یا ملازمت کے اختتام پر ملازم کو ادا کی جاتی ہے۔ فقہی اعتبار سے سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب تک یہ رقم فنڈ میں موجود ہے اور ملازم اس کو استعمال نہیں کر سکتا۔ مفتی محمد تقی عثمانی کے نزدیک پراویڈنٹ فنڈ کی زکوٰۃ کا دارومدار ملکیت اور اختیار پر ہے۔ اگر پراویڈنٹ فنڈ ایسی صورت میں ہو کہ ملازم کو رقم نکالنے کا اختیار حاصل نہ ہو اور ادارہ اس پر پابندیاں عائد کیے ہوئے ہو تو اس دوران زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی، کیونکہ ملکیت مکمل نہیں ہے البتہ جب ملازم کو رقم وصول ہو جائے اور وہ اس پر مکمل تصرف حاصل کر لے تو اس وقت زکوٰۃ کے احکام نافذ ہوں گے۔

---

[27] پراویڈنٹ فنڈ سے مراد ملازمین کے لیے قائم کیا جانے والا ایک مالیاتی نظام ہے جس میں ملازم کی تنخواہ سے مقررہ رقم جمع کی جاتی ہے اور بعض صورتوں میں ادارہ یا آجر بھی اس میں اپنا حصہ شامل کرتا ہے۔ یہ رقم ملازم کے مستقبل، ملازمت کے اختتام، ریٹائرمنٹ یا دیگر مقررہ حالات میں اسے فراہم کی جاتی ہے۔ اس فنڈ کا مقصد ملازم کو مستقبل میں مالی تحفظ فراہم کرنا ہوتا ہے۔ جدید مسائلِ زکوٰۃ میں اس رقم کی ملکیت اور وصولی کے وقت کے اعتبار سے اس پر زکوٰۃ کے حکم کا تعین ایک اہم فقہی مسئلہ ہے۔

[28] الأنعام: 141

AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www. al-aasar.com
Vol. 2, No.4 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

مفتی تقی عثمانی اس موقف کی بنیاد فقہی اصول "القدرۃ علی التصرف" یعنی تصرف کی قدرت پر رکھتے ہیں۔ ان کے نزدیک جس مال پر انسان کو عملی اختیار حاصل نہ ہو، اس پر زکوٰۃ کا وجوب محلِ نظر ہو گا۔ وہ مزید وضاحت کرتے ہیں کہ بعض پراویڈنٹ فنڈز میں ملازم کا اپنا حصہ یقینی ملکیت شمار ہوتا ہے جبکہ ادارے کی جانب سے شامل کردہ رقم بعض اوقات مشروط ہوتی ہے، اس لیے دونوں حصوں کے احکام میں فرق کیا جا سکتا ہے۔[29]

آیت اللہ سید علی حسینی سیستانی بھی اس مسئلہ میں ملکیتِ کاملہ کو بنیادی حیثیت دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک جب تک فنڈ کی رقم انسان کے قبضہ اور تصرف میں نہ آ جائے، اس وقت تک زکوٰۃ یا دیگر مالی واجبات کے احکام لاگو نہیں ہوتے۔ کیونکہ زکوٰۃ کا تعلق ایسے مال سے ہے جو بالفعل انسان کی دسترس میں ہو۔ سید علی سیستانی کے فقہی اصولوں کے مطابق بھی وہ مال جس تک مالک کی عملی رسائی نہ ہو، مکمل مالی ملکیت کے حکم میں نہیں آتا۔ اس لیے پراویڈنٹ فنڈ کی رقم وصول ہونے کے بعد اس کے احکام متعین کیے جائیں گے۔[30]

پنشن[31] کی شرعی حیثیت

پنشن وہ رقم ہے جو ریٹائرمنٹ کے بعد ملازم کو ماہانہ یا سالانہ بنیادوں پر ادا کی جاتی ہے۔ جدید معاشی نظام میں پنشن کو معاشی تحفظ کا اہم ذریعہ سمجھا جاتا ہے۔ فقہاء کے نزدیک پنشن کا حکم اس بات پر منحصر ہے کہ آیا پنشن کی رقم پہلے سے ملکیت میں شمار ہوتی ہے یا صرف استحقاق (Entitlement) کی حیثیت رکھتی ہے۔

مفتی تقی عثمانی کے نزدیک پنشن کی وہ رقم جو ابھی وصول نہیں ہوئی، اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہو گی کیونکہ وہ ابھی حقیقی قبضہ میں نہیں آئی۔ البتہ جو رقم وصول ہو چکی ہو اور نصاب تک پہنچ جائے تو وہ دیگر اموال کے ساتھ شامل ہو کر زکوٰۃ کے دائرے میں آ جائے گی۔ ان کے نزدیک پنشن کی رقم کا حکم عام نقدی کے حکم کے مشابہ ہے، بشرطیکہ وہ انسان کی ملکیت میں آ چکی ہو۔

سید علی سیستانی کے نزدیک بھی پنشن کی وصول شدہ رقم قابلِ ملکیت مال شمار ہو گی۔ جب وہ رقم انسان کے قبضہ میں آ جائے اور شرائط مکمل ہوں تو اس کے متعلق مالی ذمہ داریوں کا تعین کیا جائے گا۔ وہ بھی ملکیت اور قبضہ کو اس مسئلہ کی بنیاد قرار دیتے ہیں۔

معاشی اور سماجی اہمیت

پراویڈنٹ فنڈ اور پنشن اسکیمیں جدید معاشروں میں مالی استحکام کا اہم ذریعہ ہیں۔ اسلام ان ذرائع کی اصل مشروعیت سے انکار نہیں کرتا بلکہ ان کے بارے میں شرعی رہنمائی فراہم کرتا ہے تاکہ مسلمان اپنی مالی ذمہ داریوں کو درست طریقے سے ادا کر سکیں۔ مفتی تقی عثمانی کے نزدیک اسلامی معاشی نظام میں بچت اور مستقبل کی منصوبہ بندی جائز ہے، بشرطیکہ اس میں شرعی حدود کی رعایت کی جائے۔

---

[29] علي الحسيني السيستاني، منهاج الصالحين، ج1، كتاب الزكاة، مسائل الأسهم والاستثمار، 190

[30] ایضاً، ص216

[31] پنشن سے مراد وہ باقاعدہ مالی رقم ہے جو کسی ملازم کو ملازمت کی مدت مکمل ہونے، ریٹائرمنٹ یا بعض مخصوص حالات کے بعد ادارے یا حکومت کی طرف سے مقررہ طور پر دی جاتی ہے۔ اس کا مقصد ریٹائرمنٹ کے بعد فرد کی بنیادی مالی ضروریات کو پورا کرنے میں مدد فراہم کرنا ہوتا ہے۔ پنشن کی رقم اور ادائیگی کا طریقہ ادارے اور ملازمت کی نوعیت کے مطابق مختلف ہو سکتا ہے۔ جدید مسائلِ زکوٰۃ میں پنشن کی ملکیت، وصولی اور استعمال کی نوعیت کے اعتبار سے اس پر زکوٰۃ کے حکم کا جائزہ لیا جاتا ہے۔

AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www. al-aasar.com
Vol. 2, No.4 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

سید علی سیستانی بھی مالی نظم و ضبط اور مستقبل کی ضروریات کے لیے جائز منصوبہ بندی کو اسلامی تعلیمات کے مطابق قرار دیتے ہیں۔ مفتی تقی عثمانی اور سید علی حسینی سیستانی دونوں اس مسئلہ میں بنیادی طور پر متفق نظر آتے ہیں کہ پراویڈنٹ فنڈ اور پنشن پر زکوٰۃ کا تعلق ملکیتِ کاملہ اور قبضہ سے ہے۔ جب تک مال انسان کی مکمل دسترس میں نہ ہو اس وقت تک زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔ تاہم جب مال وصول ہو جائے اور اس پر مکمل اختیار حاصل ہو جائے تو وہ دیگر اموال کی طرح زکوٰۃ کے دائرے میں آ سکتا ہے۔[32]

پراویڈنٹ فنڈ، پنشن اور جدید ریٹائرمنٹ اسکیمیں معاصر مالیاتی نظام کا اہم حصہ ہیں۔ ان کے بارے میں مفتی تقی عثمانی اور سید علی حسینی سیستانی کی آراء سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی فقہ جدید معاشی مسائل کا حل پیش کرنے کی مکمل صلاحیت رکھتی ہے۔ دونوں علماء ملکیت، قبضہ اور مالی منفعت کے اصولوں کی روشنی میں ان مسائل کا جائزہ لیتے ہیں اور اس بات پر متفق ہیں کہ زکوٰۃ کا نظام ہر دور کے مالی وسائل پر قابلِ اطلاق ہے، بشرطیکہ شرعی شرائط پوری ہوں۔

تجارتی اموال، کاروباری اثاثے اور زکوٰۃ

اسلامی معاشی نظام میں تجارت کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ قرآنِ کریم نے جائز تجارت کو معاشی ترقی اور انسانی ضروریات کی تکمیل کا ذریعہ قرار دیا ہے، جبکہ سود اور ناجائز مالی ذرائع سے منع کیا ہے۔ چونکہ تجارت کے ذریعے حاصل ہونے والے اموال میں نمو اور اضافہ پایا جاتا ہے، اس لیے فقہ اسلامی میں تجارتی اموال پر زکوٰۃ کے احکام تفصیل کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں۔ عصرِ حاضر میں کاروبار کی نوعیت انتہائی پیچیدہ ہو چکی ہے اور تجارتی سرمایہ صرف سامانِ تجارت تک محدود نہیں رہا بلکہ کمپنیوں کے حصص، خام مال، تیار شدہ مصنوعات، بینک بیلنس، قابلِ وصول رقوم اور دیگر مالی اثاثے بھی اس کا حصہ بن گئے ہیں۔ اسی وجہ سے معاصر فقہاء نے ان تمام امور کا از سرِ نو جائزہ لیا ہے۔

مفتی محمد تقی عثمانی اور آیت اللہ سید علی حسینی سیستانی دونوں نے جدید تجارتی معاملات کے حوالے سے اپنی فقہی آراء پیش کی ہیں۔ اگرچہ ان کے فقہی مکاتب مختلف ہیں، تاہم دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ تجارت سے وابستہ ایسے اموال جو مالی نمو کا ذریعہ ہوں، ان کے متعلق شرعی ذمہ داریوں کو پورا کرنا ضروری ہے۔ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا﴾[33]

ترجمہ: "اللہ نے تجارت کو حلال اور سود کو حرام قرار دیا ہے۔"

اسلام تجارت کی حوصلہ افزائی کرتا ہے، لیکن اس کے ساتھ مالی ذمہ داریوں کی ادائیگی کو بھی لازم قرار دیتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

"التَّاجِرُ الصَّدُوقُ الْأَمِينُ مَعَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ"

ترجمہ: "سچا اور امانت دار تاجر قیامت کے دن انبیاء، صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہو گا۔"

مالِ تجارت کا مفہوم

فقہاء کے نزدیک ہر وہ مال جو خرید و فروخت کی نیت سے حاصل کیا جائے "مالِ تجارت" کہلاتا ہے۔ اس میں دکان کا سامان، درآمدی و برآمدی اشیاء، صنعتی مصنوعات اور دیگر تجارتی ذخائر شامل ہوتے ہیں۔ جمہور فقہاء کے نزدیک مالِ تجارت پر زکوٰۃ واجب ہے، کیونکہ اس میں مالی نمو اور منافع کا عنصر پایا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فقہ اسلامی میں تجارت کو زکوٰۃ کے اہم ابواب میں شمار کیا جاتا ہے۔ حضرت سمرہ بن جندبؓ روایت کرتے ہیں:

"كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَأْمُرُنَا أَنْ نُخْرِجَ الصَّدَقَةَ مِمَّا نُعِدُّهُ لِلْبَيْعِ"[34]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ ہمیں حکم دیتے تھے کہ جو چیزیں فروخت کے لیے رکھی جائیں ان میں سے زکوٰۃ ادا کریں۔

---

[32] علي الحسيني السيستاني، منهاج الصالحين، ج1، كتاب الزكاة، مسائل الأسهم والاستثمار، 215

[33] البقرة:275

[34] سلیمان بن اشعث ابو داؤد، سنن ابی داؤد، کتاب الزکاۃ، حدیث نمبر 1562، بیروت: دار الرسالۃ العالمیۃ، 2009ء ص 244

اسلامی معاشی نظام میں زکوٰۃ کا تصور محض ایک انفرادی عبادت تک محدود نہیں بلکہ یہ ایک ہمہ گیر مالی و سماجی نظام کی بنیاد ہے جو دولت کی منصفانہ تقسیم، معاشرتی عدل اور معاشی استحکام کو یقینی بناتا ہے۔ جدید دور میں تجارت اور سرمایہ کاری کی صورتیں جس قدر وسیع اور پیچیدہ ہو چکی ہیں، اسی قدر ان کے شرعی احکام کے فہم و تطبیق کی ضرورت بھی بڑھ گئی ہے۔ تاہم فقہ اسلامی کی وسعت، لچک اور اجتہادی صلاحیت اس بات کی دلیل ہے کہ ہر نئے مالی مسئلے کا حل اس کے اصولوں کے اندر موجود ہے۔

مالِ تجارت کے حوالے سے یہ امر نہایت اہم ہے کہ شریعت نے اس پر زکوٰۃ کو واجب قرار دے کر اس حقیقت کو واضح کیا ہے کہ اسلام صرف روحانی عبادات کا دین نہیں بلکہ ایک مکمل معاشی نظام بھی فراہم کرتا ہے۔ تجارت میں موجود نمو اور منافع کی صلاحیت کو بنیاد بنا کر اس پر زکوٰۃ کا وجوب اس بات کا ثبوت ہے کہ اسلام دولت کے ارتکاز کو ناپسند کرتا ہے اور اسے معاشرے کے مختلف طبقات میں گردش دینے کا خواہاں ہے۔

قرآنِ کریم اور احادیثِ مبارکہ میں تجارت کی حلت اور دیانت دار تاجر کی فضیلت بیان کر کے یہ اصول واضح کر دیا گیا ہے کہ معاشی سرگرمی اسلام کے دائرے میں رہتے ہوئے نہ صرف جائز بلکہ باعثِ اجر بھی ہے، بشرطیکہ اس میں شرعی حدود کی پابندی کی جائے۔ حضرت سمرہ بن جندبؓ کی روایت اس اصول کی عملی بنیاد فراہم کرتی ہے کہ جو مال تجارت کی نیت سے رکھا جائے اس پر زکوٰۃ واجب ہے، تاکہ معاشرے میں مالی توازن برقرار رہے۔

مفتی محمد تقی عثمانی اور آیت اللہ سید علی حسینی سیستانی جیسے معاصر فقہاء کی آراء اس بات کو مزید واضح کرتی ہیں کہ جدید مالیاتی نظام، چاہے وہ اسٹاک مارکیٹ ہو، بینکنگ ہو یا میوچل فنڈز، شریعت کے دائرۂ اطلاق سے باہر نہیں۔ دونوں علما اس امر پر متفق ہیں کہ اصل معیار ملکیت، قبضہ اور مالی منفعت ہے، اور انہی اصولوں کی روشنی میں جدید معاشی مسائل کا حل تلاش کیا جا سکتا ہے۔ اس پورے تحقیقی مطالعے سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ زکوٰۃ کا نظام اپنی روح کے اعتبار سے نہایت جامع اور ہمہ گیر ہے جو ہر دور کے مالی حالات کے ساتھ مطابقت رکھتا ہے۔ جدید تجارتی و مالیاتی ذرائع پر زکوٰۃ کا اطلاق اس بات کی دلیل ہے کہ اسلامی فقہ وقت کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہونے کی مکمل صلاحیت رکھتی ہے۔ اگر زکوٰۃ کے نظام کو اس کی حقیقی روح کے مطابق نافذ کیا جائے تو نہ صرف معاشی ناہمواریوں میں کمی واقع ہو سکتی ہے بلکہ ایک منصفانہ، متوازن اور فلاحی معاشرہ بھی وجود میں آ سکتا ہے۔

نتائجِ تحقیق (Findings)

1. زکوٰۃ کا نظام ایک جامع اور ہمہ گیر مالیاتی نظام ہے جو صرف روایتی اموال تک محدود نہیں بلکہ جدید مالیاتی ذرائع جیسے بینک بیلنس، شیئرز، میوچل فنڈز، پراویڈنٹ فنڈ اور دیگر سرمایہ کاری کی صورتوں پر بھی قابلِ اطلاق ہے۔
2. مفتی محمد تقی عثمانی اور آیت اللہ سید علی حسینی سیستانی دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ زکوٰۃ کے وجوب میں ملکیتِ کاملہ، مالی منفعت اور قابلِ تصرف مال بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔
3. کاغذی کرنسی، بینک بیلنس اور جدید مالیاتی اثاثے موجودہ دور میں مال اور ثمن کی حیثیت رکھتے ہیں، اس لیے شرعی شرائط کی تکمیل پر ان پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔
4. جدید سرمایہ کاری کی صورتوں جیسے شیئرز، میوچل فنڈز اور کاروباری اثاثوں کے احکام کا تعین ان کی حقیقی نوعیت، مقصدِ سرمایہ کاری اور مالی حیثیت کو مدنظر رکھ کر کیا جاتا ہے۔
5. اسلامی فقہ اپنے اجتہادی اصولوں، مقاصدِ شریعت اور فقہی قواعد کی بدولت جدید مالیاتی مسائل کا حل پیش کرنے اور ہر دور کے معاشی تقاضوں سے ہم آہنگ رہنے کی مکمل صلاحیت رکھتی ہے۔

سفارشات (Recommendations)

1. جدید مالیاتی معاملات میں زکوٰۃ کے احکام سے متعلق عوامی آگاہی کے لیے تعلیمی اور تحقیقی پروگراموں کا انعقاد کیا جائے تاکہ مسلمان اپنی مالی ذمہ داریوں کو درست انداز میں ادا کر سکیں۔
2. اسلامی مالیاتی اداروں اور بینکوں کو چاہیے کہ وہ زکوٰۃ کے حساب اور ادائیگی کے لیے واضح اور آسان رہنما اصول فراہم کریں۔

3. جامعات اور تحقیقی مراکز میں جدید مالیاتی مسائل اور زکوٰۃ کے موضوع پر مزید علمی و تحقیقی کام کی حوصلہ افزائی کی جائے۔
4. معاصر فقہی اداروں کو چاہیے کہ ڈیجیٹل کرنسی، آن لائن سرمایہ کاری اور ابھرتے ہوئے مالیاتی ذرائع کے بارے میں مشترکہ فقہی رہنمائی فراہم کریں۔
5. اسلامی معاشی نظام کے فروغ اور معاشرتی فلاح کے لیے زکوٰۃ کے اجتماعی اور منظم نظام کو مضبوط بنایا جائے تاکہ دولت کی منصفانہ تقسیم اور غربت کے خاتمے کے مقاصد حاصل ہو سکیں۔

Bibliography

1. Al-Qur’an al-Karim.
2. Abu Dawud, Sulayman ibn al-Ash‘ath. Sunan Abi Dawud. Beirut: Dar al-Risalah al-‘Alamiyyah, 2009.
3. Al-Tirmidhi, Muhammad ibn ‘Isa. Jami‘ al-Tirmidhi. Beirut: Dar al-Gharb al-Islami, 1998.
4. Ibn Majah, Muhammad ibn Yazid. Sunan Ibn Majah. Beirut: Dar Ihya al-Kutub al-‘Arabiyyah.
5. Ahmad ibn Hanbal. Al-Musnad. Beirut: Mu’assasat al-Risalah, 2001.
6. Al-Kasani, Ala al-Din. Bada’i al-Sana’i fi Tartib al-Shara’i. Beirut: Dar al-Kutub al-‘Ilmiyyah, 1986.
7. Ibn Abidin, Muhammad Amin. Radd al-Muhtar ‘ala al-Durr al-Mukhtar. Beirut: Dar al-Fikr, 1992.
8. Al-Marghinani, Burhan al-Din. Al-Hidayah. Beirut: Dar Ihya al-Turath al-‘Arabi.
9. Wahbah al-Zuhayli. Al-Fiqh al-Islami wa Adillatuhu. Damascus: Dar al-Fikr, 1985.
10. Muhammad Taqi Usmani. Fiqh al-Buyu‘. Karachi: Maktabah Ma‘arif al-Qur’an, 2008.
11. Muhammad Taqi Usmani. Islam Aur Jadeed Ma‘ashi Masail. Karachi: Maktabah Ma‘arif al-Qur’an.
12. Muhammad Taqi Usmani. An Introduction to Islamic Finance. Karachi: Maktabah Ma‘arif al-Qur’an, 2002.
13. Ali al-Sistani. Minhaj al-Salihin. Qom: Mu’assasat al-Imam Ali.
14. Ali al-Sistani. Islamic Laws. Qom: Ansariyan Publications.
15. International Islamic Fiqh Academy. Resolutions and Recommendations. Jeddah: OIC Publications.